# نیا بندھن

**مستجاب شیلی**

105، بیگم سرائے خرد، امروہہ۔ 244221 (یوپی)، موبائل: 9897103834

راجندر کافی دنوں سے بڑی الجھن میں تھا کہ آخر کرے تو کیا کرے؟ وہ سرویش کے وہم کو کیسے دور کرے؟ اِدھر دو تین سال سے وہ سرویش کے گھر گیا ہی نہیں تھا۔ اپنی عزت اپنے ہاتھ ہوتی ہے، وہ یہ جانتا تھا۔ ویسے تو اس کے اندرون میں بھی کہیں نہ کہیں ناگواری تھی، لیکن اس کے باوجود وہ سرویش سے دوستی ختم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ برسہا برس سے ایسی دوستی تھی جیسے دونوں ایک دوسرے کے چچّے بھتّے ہوں۔ اب تو دونوں ادھیڑ عمر سے بھی آگے نکل آئے تھے مگر کون ایسا ہے کہ جس سے کبھی غلطی نہیں ہوتی؟

اِدھر کچھ وقت سے ایک وہم نے دونوں کے بیچ دراڑ سی ڈال دی تھی۔ حالانکہ سرویش بھی دوستی ختم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اب بھی کبھی کبھی وہ اگر کسی الجھن میں ہوتا تھا تو راجندر کو فون کر کے مشورہ کرتا تھا۔ جب وہ کنوارے تھے، اس وقت سے دونوں میں دوستی تھی۔ اب راجندر چونسٹھ کا تھا اور سرویش لگ بھگ اکسٹھ سالہ۔ نہ صرف یہ کہ دونوں ایک دوسرے کے رازدار تھے، بلکہ کسی بھی آڑے وقت میں دونوں ایک دوسرے سے کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ''ایکا'' بڑی طاقت ہے۔

سرویش کے دو بیٹے تھے۔ دونوں جوان ہو چکے تھے۔ چھوٹا بیٹا پرکاش سرکاری ملازم تھا اور ایک اچھی پرسنالٹی کا خوب رو نوجوان تھا۔ اچانک پرکاش نے کسی کو کچھ بھی بتائے بغیر چپکے سے لو میرج کر لی۔ سرویش کو بے انتہا ناراضگی ہوئی۔ اس نے زبان سے تو کچھ نہیں کہا پر کسی قسم کا سرپشن وغیرہ کا پروگرام نہیں کیا۔

راجندر کو جب پتہ چلا تو وہ بہت خوش ہوا کیونکہ وہ تو اس بات کا قائل تھا کہ بالغ بچوں کو ہر طرح سے اس بات کا حق حاصل ہے سو اس بات سے کیا پریشانی۔ زندگی تو انہی دونوں کو گزارنی ہوتی ہے۔ راجندر نے سرویش کو فون کر کے مبارک باد دی تو اس نے بس ہاں..... ہوں کر دی۔ کسی قسم کی خوشی کا اظہار نہیں کیا۔

ایک برس بھی نہیں بیتا تھا کہ سرویش کے یہاں ایک پوتا آ گیا وہ بھی اس شہر میں جہاں اس کا بیٹا ملازمت کر رہا تھا۔ راجندر کو معلوم ہوا تو اس نے پھر فون کر کے مبارک باد دی تو بھی سرویش کا انداز وہی..... ہوں..... ہاں جیسا رہا۔

کچھ ماہ بعد راجندر کو معلوم ہوا کہ پرکاش اپنے بچے اور بیوی سمیت کچھ دنوں کی چھٹی منانے گھر آیا ہوا ہے۔ یہ سنتے ہی اس کے دماغ میں ایک بات آئی اور اس پر عمل کرنے کے لیے اس نے تیاری کر لی۔ موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا کیونکہ کل کس نے دیکھا ہے۔ دراصل سرویش اس کے بچوں کی شادیوں میں بڑی محبت سے لین دین کرتا رہا تھا مگر ابھی تک راجندر کو کوئی موقع نہیں مل سکا تھا۔ اس بار جب ایک موقع آیا بھی تو وہ ٹھنڈے ٹھنڈے ہی نکلتا دکھائی دے رہا تھا۔

ان دنوں اتفاق سے راجندر کی بڑی بیٹی بھی سسرال سے آئی ہوئی تھی۔ اس نے بیٹی کو ساتھ لیا اور سرویش کے یہاں اچانک بنا کچھ بتائے، بنا فون کئے جا دھمکا۔ سرویش کی بیوی، بیٹے، بہو سب بھونچکے سے انہیں دیکھنے لگے۔ بہو نے تو اسے کبھی دیکھا ہی نہیں تھا۔ راجندر نے اندازے سے شناخت کر لیا کہ یہی بہو ہو سکتی ہے۔ چھوٹا سا بچہ اس کی گود میں تھا۔

''بیٹی یہ بیکار سی ساڑی آپ کے لیے ہے۔'' راجندر نے ایک بڑا سا گفٹ نما ڈبّہ بہو کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''یہ خراب سا اب سوٹ ہمارے اس پیارے سے ننھے منے پوتے کا ہے، یہ دو کوڑی کا مٹھائی کا ڈبّہ آپ کے ساس سسر کا ہے اور یہ معمولی سی آپ کی منھ دکھائی ہے۔'' یہ کہتے ہوئے ایک لفافہ بہو کے ہاتھ میں دیا جو اس نے ذرا ہچکچاہٹ کے ساتھ شوہر کے اشارے پر لے لیا۔

''پرکاش! یار تو اتنا بُرا نکلا کہ کچھ اشارہ تک نہیں کیا، کسی کو ہوا بھی نہیں لگنے دی اور شادی کر لی۔ باپ کی بات تو تو اور تیرا باپ جانے، مجھے تو چپکے سے بتا دیتا، میں تو ترنت ہی ٹھیک سے پر تیرے پاس پہنچ جاتا۔ ارے

''انکھیاں سکھ کلیجہ ٹھنڈا'' یہ کہاوت سنی ہے تو نے؟ چل خیر کوئی بات نہیں، تم تینوں کو دیکھ کر چت پرسن ہو گیا۔'' دونوں بیٹے اور بہو ہنستے رہے۔

راجندر کی بیٹی نے بڑھ کر بچے کو گود میں لے لیا اور پہلے خود پیار کرتی رہی پھر باپ کو تھما دیا۔ راجندر اسے گود میں بٹھا کر پیار کرنے ہی والا تھا کہ بچے نے تل تل تل تل پیشاب کر دیا۔ سب ہنسنے لگے۔

''اچھا جی! یار یہ تو بہت اچھا کیا آپ نے..... ان سب کو سمجھا دیا کہ میں بھی آپ کا دادا ہوں، کوئی اور نہیں..... جیتے رہیے..... بھگوان سیکڑوں برس لمبی آیو دے اور سدا سکھی وسوستھ رکھے۔'' یہ کہتے ہوئے راجندر نے بچے کو بیٹی کو دیا اور خود واش روم کی طرف چل دیا۔

بعد کو چائے وغیرہ کا سلسلہ چلا اور پھر جلد ہی راجندر نے واپسی کی اجازت مانگ لی۔ دراصل وہ یہ محسوس کر چکا تھا کہ سرویش ساتھ بیٹھا تو تھا پر ناگواری اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہی تھی۔

اصل میں راجندر کی ایک پرانی عادت تھی اور وہ یہ کہ سبھی دوستوں، رشتہ داروں، حد یہ کہ اپنی بہوؤں بیٹیوں تک سے بڑی بے تکلفی سے باتیں کرتا تھا۔ بالکل گھل مل کر۔ راجندر کی بیوی کو گزرے کئی برس ہو چکے تھے۔ کچھ عرصہ تک وہ بہت اداس رہا مگر پھر دھیرے دھیرے اس میں وہی پرانی عادت لوٹ آئی۔ بہرحال اس کی عادت جیسی تھی سو تھی..... دھیرے دھیرے وہ سرویش کی بیوی سے بھی اپنے گھر کی طرح کچھ زیادہ ہی بے تکلفی سے باتیں کرنے لگا اور نہ صرف یہ کہ ہنسی اور قہقہے اس بات چیت میں شامل ہو گئے بلکہ کافی کافی دیر تک یہ سلسلہ چلنے بھی لگا۔ تمام اعزا اور قریبی تو اسے جانتے تھے، لیکن جانے کیوں سرویش سے یہ بات برداشت نہیں ہوئی۔

پہلے تو دونوں کا ایک دوسرے کے گھر میں آنا جانا معمولی تھا پر اِدھر کئی برسوں سے کچھ زیادہ ہی بڑھ گیا تھا۔ سرویش اپنی بیوی سے عمر میں تقریباً بارہ تیرہ برس بڑا تھا۔ وہ نہ جانے کیوں بیوی پر بھروسہ نہیں کرتا تھا۔ وہ ایک اسکول ٹیچر بھی تھی۔ اِدھر کچھ دنوں سے وہ پوری طرح بیوی پر ڈیوٹی دینے لگا تھا۔ راجندر سے کبھی اس نے اپنی بیوی کے بارے میں کچھ کہا تو نہیں تھا مگر راجندر پھر بھی اکثر اس بات کو محسوس کر لیتا تھا۔ یہ سب سمجھنے کے باوجود بھی راجندر سے ایک تو اپنی عادت کی وجہ سے دوسرے دوستی پر یقین کے سبب بے تکلفی کی یہ بھول ہونے لگی اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سرویش اسے شک کی نگاہ سے دیکھنے لگا۔ نہ صرف دیکھنے لگا بلکہ ایک آدھ طنزیہ جملہ بھی اکثر کہہ دیا کرتا تھا۔ دھیرے دھیرے جب اچھی طرح راجندر نے یہ محسوس کر لیا تو پھر اس کا آنا جانا نہ صرف کم ہونے لگا بلکہ آہستہ آہستہ دوستی میں بھی فاصلہ ہوتا چلا گیا۔ راجندر کی سوچ تھی کہ بے عزتی کی زندگی موت سے بھی بری ہے۔

سرویش کو شک تھا اور راجندر کو اس کے شک پر ناراضگی۔

یہ ذہنی کیفیات کچھ برسوں سے ان کی پرانی دوستی پر چڑھ کر بیٹھ گئی تھیں۔ پھر بھی راجندر سوچتا تھا کہ وہ سرویش کا قرض دار بھی تو ہے۔ اس کے بچے نہ صرف سرویش کو چاچا کہتے تھے بلکہ سگے چاچا کی طرح اس کی عزت بھی کرتے تھے۔ بہرحال اس موقع پر راجندر اپنے خیال کے مطابق اس کے پوتے اور بہو کو کچھ تحائف دے کر کچھ قرض تو اتار ہی آیا تھا۔

---

اس بار رکشا بندھن کے دن صبح کے ناشتے کے بعد راجندر کی پوری فیملی بیٹھی ہوئی گپّیں لڑا رہی تھی۔ اس کی بیٹی بھی دو ایک دن کی چھٹی منانے اور بھائیوں کے راکھی باندھنے آئی ہوئی تھی۔ اچانک دروازے میں سرویش اور اس کی بیوی داخل ہوئے۔ سب بڑی حیرانی سے چاچا اور چاچی دونوں کو دیکھنے لگے۔ بیٹی آگے بڑھی اور جلدی سے دونوں کو صوفے پر بٹھایا۔ چاچی نے اپنا بیگ کھولا اور اس میں سے راکھی نکالنے لگی۔

راجندر سمجھ گیا۔ اس نے بڑے غصے سے سرویش کی طرف دیکھا۔ کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے ''کوئی سکھ ایسا نہیں جس میں دکھ نہ ہوئے۔'' کچھ دیر وہ اسی طرح دیکھتا رہا۔

''بیٹی دیکھ..... تیری بوا پریتی آ گئی۔ پر ماتما نے دوسری پریتی دے دی۔'' پریتی راجندر کے تاؤ کی بیٹی تھی اور اس کی گودوں کی کھلائی ہوئی تھی۔ وہ اس سے بچپن سے ہی بے تحاشہ محبت کرتی تھی۔ کئی برس پہلے اس کا انتقال ہو گیا تھا۔

''چاچا جی! چاچی ہماری پریتی بوا سے بہت ملتی جلتی ہیں۔ ان کی چال، ان کی آواز، ان کے بولنے کا ڈھنگ بالکل ہماری پریتی بوا جیسا ہے۔ اگر ان کا چہرہ سامنے نہ ہو تو کسی کو بھی پریتی بوا کا دھوکہ ہو سکتا ہے۔'' راجندر کی بیٹی سرویش سے کہنے لگی۔

راجندر غصے سے سرویش کو گھورتا رہا پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہنے لگے۔ اس نے راکھی بندھوانے کے لیے اپنا ہاتھ سرویش کی بیوی کی طرف بڑھا دیا۔

سرویش کا جیسے سر جھک گیا تھا۔

بھگوان کی بھیجی ہوئی دوسری پریتی نے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں کے ساتھ راکھی باندھنی شروع کر دی۔

برسہا برس پرانی دوستی جو ایک وہم کے سائے تلے ٹوٹنے کی دہلیز تک پہنچ گئی تھی، ایک بار پھر سے ایک ''نئے بندھن'' میں بندھ گئی۔ ◆◆◆